

چند برس پہلے پیرس جانے کا اتفاق ہوا۔ شہر کے اندرونی دریا میں چلنے والی ایک درمیانے سائز کی کشتی میں سوار ہو گیا۔ مقصد تھا کہ پیرس کی مشہور ترین تاریخی عمارتوں کو کم از کم وقت میں دیکھا جاسکے۔ کشتی کے باہر ریلنگ کے ساتھ کھڑا تھا کہ ایک بوڑھا آدمی میرے پاس آیا۔ پوچھا، کس ملک سے آئے ہو۔ جواب دیا کہ (پاکستان سے)۔ بزرگ شخص نے مسکرا کر کہا کہ مجھے یقین تھا کہ تم پاکستان سے آئے ہو۔ اس کا نام ایلیجا (Elijah) تھا اور پچھتر برس کا تھا۔ دیکھنے میں ساٹھ سال کا معلوم ہوتا تھا۔ پوچھا کہ آپ کیسے معلوم ہوا کہ پاکستان سے آیا ہوں۔ جواب بہت دلچسپ تھا۔ کپڑوں کے رنگ اور جوتوں سے۔ پاکستانی اور ہندوستانیوں کی شکلیں ملتی جلتی ہیں۔ مگر کچھ چیزیں مختلف ہیں۔ ایک تو پاکستانی جو کپڑے پہنتے ہیں انکے رنگ بہت بہتر ہوتے ہیں۔ وہ کوشش کرتے ہیں کہ اگر نیلی ٹی شرٹ پہن رکھی ہے، تو پینٹ بھی اس سے ملے جلتے رنگ کی ہو۔ کبھی نیلی شرٹ کے ساتھ سرخ پتلون نہیں پہنیں گے۔ اسی طرح، انکے جوتے بہتر ہوتے ہیں۔ یہ دو فرق ایسے ہیں، جسکی بدولت ہندوستان سے تعلق رکھنے والے انسان اور آپ لوگ فوراً پہچانے جاتے ہیں۔ ہندوستان کے لوگوں کے کپڑوں میں رنگ کا توازن کافی کم ہوتا ہے اور وہ جوتوں کے معیار پر کبھی غور نہیں کرتے۔ ایلیجا کی باتیں بہت دلچسپ تھیں۔ کشتی کا سفر چالیس منٹ میں ختم ہو گیا۔ ایلیجا کو کہا کہ چلیے کافی اکٹھے پیتے ہیں۔ ایک چھوٹی سی کافی شاپ میں بیٹھ گئے۔ ایلیجا پرائمری سکول کا ٹیچر تھا، ریٹائر ہوئے طویل عرصہ ہو چکا تھا۔ امریکی ریاست، نیو ہمشائر میں رہتا تھا۔ پوری عمر نیویارک میں رہا، مگر پھر یکسر مختلف جگہ پر منتقل ہو گیا۔ میرے چہرے پر سوالیہ نشان دیکھ کر کہنے لگا کہ نیو ہمشائر اس لیے چلا گیا کہ یہاں چور اسی فیصد درخت ہیں۔ مجھے جنگلات اور قدرتی زندگی سے عشق ہے۔ وہاں میں ایک جنگل میں جانوروں کے لیے فری چارہ اگاتا ہوں۔ ہرن اور اس طرح کے بہت سے جانور اس چارے کو کھاتے ہیں، میں ہر سال، تقریباً دو سے تین ہارٹریکٹر کرائے پر لیتا ہوں۔ دو چارڈیہاڑی دار مزدور لیتا ہوں۔ کسی بھی خالی جگہ پر قدرتی جانوروں کیلئے چارہ کاشت کرتا ہوں۔ ایلیجا کہنے لگا کہ تقریباً پچاس کے قریب ملکوں میں سیاحت کر چکا ہوں۔ پاکستان بھی آیا ہوں۔ وہ کراچی، لاہور اور اسلام آباد میں دو تین ماہ کے لگ بھگ رہ چکا تھا۔ سوال کیا کہ آپ کو میرا ملک کیسا لگا۔ ایلیجا مکمل خاموش ہو گیا۔ کہنے لگا کہ اس نے اپنے ہوٹل واپس پہنچنا ہے۔ لہذا پھر کبھی بات ہوگی۔

ایلیجا اور میں، فیس بک پر دوست بن گئے۔ چند ماہ پہلے، اس نے فون پر کہا، کہ پیرس کی کافی شاپ میں تم نے ایک سوال کیا تھا اور میں بہانہ بنا کر نکل گیا تھا۔ اس کا جواب ای میل اور ٹیلیفون پر دوں گا۔ تین دن بعد، ایلیجا کا ایک طویل ای میل آئی اور تقریباً پورے ایک ہفتہ، دس بارہ ای میل آئیں۔ اسے پاکستان کی زندگی کا بھرپور ادراک تھا۔ ای میلز اور فون کال بابت عرض کرنا چاہوں گا۔ پاکستان ایک بہترین ملک ہے۔ اسکے لوگ حد درجہ ملنسار اور خوشگوار طبیعت کے مالک ہیں۔ مگر چند ایسی باتیں گھڑی گئی ہیں، جن سے تمہاری قوم کا چھکارا پانا ناممکن ہے۔ یہ اجتماعی جھوٹ ہیں، جنہیں سچ بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ تمام دنیا حقیقت کو جانتی ہے اس لیے دنیا میں تمہارے ملک کا وقار کم ہے۔ میں، من و عن تو وہ باتیں نہیں لکھ سکتا جو ایلیجا نے ای میل میں لکھی تھیں۔ مگر چند نکات بہر حال درج کیے جاسکتے ہیں۔ ایلیجا کہتا ہے کہ یہ ملک حد درجہ سختی غریب لوگوں نے امیر لوگوں کے لیے بنایا تھا۔ کہنے لگا کہ آپ کے ملک کا غریب شخص محنت مزدوری کرتا ہے۔ بچوں کا پیٹ پالتا ہے۔ مگر اس کی کوئی بھی ضرورت آپ کا نظام پوری نہیں کرتا۔ بیمار ہو کر سرکاری ہسپتال جاتا ہے تو اسے اچھے طریقے سے دیکھا نہیں جاتا۔ جعلی دوائی اس کا مقدر ہوتی ہے۔ ڈاکٹروں اور ڈسپنسروں کی ڈانٹ اس لیے برداشت کرتا ہے کہ پرائیویٹ علاج کروانے کی مالی استطاعت نہیں رکھتا۔ طویل انتظار کے بعد سرکاری ڈاکٹر کے پاس پہنچ بھی جائے، تو اسے درست طریقے سے دیکھا نہیں جاتا۔ مگر یہ بات تو میرے علم میں تھی۔ یہ تو میں بذات خود کئی بار لکھ چکا ہوں۔ ایلیجا نے ہنستے ہوئے کہا کہ تمہارا امیر آدمی سرکاری ہسپتال میں جانا اپنی بے عزتی سمجھتا ہے۔ کافی پیسے دیکر اپنا مہنگا ترین علاج کرواتا ہے۔ بہت سے لوگ علاج کیلئے یورپ اور امریکہ بھی آتے ہیں۔ مگر اپنے مقامی سرکاری ہسپتالوں سے دور رہتے ہیں۔ تمہارے ملک کا غریب آدمی کبھی سڑک پر نہیں نکلتا کہ اسکے بچوں اور اہل خانہ کو بھی معیاری طبی سہولتیں مہیا کی جائیں۔ احتجاج کرنے کی جرات ہی نہیں رکھ سکتا کیونکہ تمہارا ملکی نظام صرف اور صرف امیر اور طاقتور انسان کیلئے تشکیل دیا گیا۔ کیا کسی بھی شہر میں غریب لوگوں نے جلوس نکالے ہیں کہ انہیں معیاری تعلیم کی سہولت دی جائے۔ کیا تمہارے ملک میں کوئی اہم شخص، وہ پانی پیتا ہے جو غریب لوگ لائسنس میں لگ کر سرکاری نلکوں سے حاصل کرتے ہیں۔ یہ ملک صرف چند لاکھ لوگوں کیلئے مختص ہے۔ باقی تمام غلام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ایلیجا کی چند باتیں بہت پُر تاثیر تھیں۔ بتانے لگا کہ لاہور آیا، تو بتایا گیا کہ بادشاہی مسجد ضرور دیکھنا۔ وہاں گیا، تو کہا گیا کہ جوتے اتار کر حفاظت کیلئے وہاں بیٹھے ہوئے ایک شخص کے حوالے کر دو۔ وہ ایک ٹوکن دیگا۔ واپسی پر کچھ پیسے دیکر جوتے واپس لینے ہو گئے۔ بادشاہی مسجد واقعی حد درجہ خوبصورت اور شاندار تھی۔ واپسی پر صرف یہ سوچ رہا تھا کہ جوتوں کی حفاظت اتنی کیوں کی جاتی ہے۔ ٹیکسی ڈرائیور نے بتایا کہ مساجد سے بعض اوقات چپلیں اور جوتے چوری ہو جاتے ہیں۔ لہذا انکی حفاظت کا ایک طریقہ ترتیب دیا گیا ہے۔ سمجھ نہیں آیا کہ ایک مقدس جگہ پر جاتے ہوئے کون بد بخت ایسا ہوگا، جو دوسروں کی ذاتی چیزیں چوری کر لے۔ ہوٹل آکر کئی لوگوں سے پوچھا تو انہوں نے اس بات کی تصدیق کی۔ یہ سب سکر بہت دکھ ہوا۔ کہ یہ سب کچھ کیا ہے۔ ایلیجا کہنے لگا کہ کراچی میں رکشہ میں سوار ہو کر سمندر کی طرف جا رہا تھا۔ راستے میں دو جگہ پولیس والوں نے روکا۔ پوچھا کہ میں کون ہوں۔ کہاں سے آیا ہوں۔ پھر رکشہ ڈرائیور کو ایک طرف لجا کر کہنے لگے کہ اس گورے سے کچھ پیسے تولے دو۔ ڈرائیور نے مجھے کہا، کہ یہ پولیس والے پیسہ مانگ رہے ہیں۔ مجھے بہت غصہ آیا کہ کس چیز کے پیسے۔ مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی دیکھا کہ پولیس والے ہر ٹیکسی اور رکشہ والے کو ایک طرف لجا کر اس سے پیسے وصول کر رہے ہیں۔ پہلے گمان ہوا کہ یہ کوئی مقامی ٹیکسی ہے۔ مگر ڈرائیور نے بتایا کہ یہ تور شوٹ ہے۔ پوری دنیا گھوم چکا ہوں۔ مگر اتنی ڈھٹائی سے پیسے مانگتے ہوئے کسی جگہ پر نہیں دیکھ پایا۔ پولیس والوں نے امریکی جان کر بخش دیا۔ مگر رکشہ ڈرائیور سے چند روپے ضرور ہتھیالے۔ کراچی میں ہر طرف کوڑا کرکٹ کے ڈیہر نظر آئے۔ کوئی شخص ٹریفک کے قوانین کی پرواہ نہیں کر رہا تھا۔ یہی حالت لاہور اور اسلام آباد میں تھی۔ حد درجہ غم ہوا کہ اس قدر قانون شکنی، خدا کی پناہ۔ ہاں، بڑی گاڑی کو پاکستان میں کوئی نہیں روکتا، کیونکہ اس میں کوئی طاقتور آدمی موجود ہو سکتا ہے۔ ایلیجا نے ایک بات بڑے دکھ سے بتائی۔ اسلام آباد میں کسی پاکستانی واقف نے اسکی دعوت کی۔ دس بارہ مقامی لوگ مدعو تھے۔ وہاں مشروب صحت کی فراوانی تھی۔ سب پی پلا رہے تھے۔ ایلیجا نے میزبان سے پوچھا، مسلمانوں کے لئے شراب ممنوع ہے۔ ایلیجا کا ہاتھ پکڑ کر کہا، براور یہ ہم لوگوں کا پاکستان ہے۔ امریکہ اور یورپ کے متعلق کہنے لگا کہ وہاں اس طرح کی دو عملی بہت کم ہے۔

دو دن پہلے بات ہوئی تو ایلیجا، فلسطین اور اسرائیل کی جنگ کے متعلق بہت فکر مند تھا۔ اسکی ہمدردیاں فلسطینی عوام کیلئے تھیں، کہہ رہا تھا کہ اسرائیل کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ نہتے شہریوں کو قتل کرے۔ عمارتوں کو زمین بوس کر دے۔ ہسپتالوں کو برباد کرے۔ اسکی آواز میں بہت تلخی تھی۔ کہہ رہا تھا کہ امریکہ میں اسکے شہر میں مہم چلائی جا رہی ہے کہ اسرائیلی مظالم کو بند کیا جائے۔ وہ خود ایک چھوٹی سی ریلی میں شریک ہو کر آیا تھا۔ اس ریلی میں تمام مذاہب کے لوگ شامل تھے۔ ایلیجا اس بات پر بھی غصہ میں تھا کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو مارنے کا کیا جواز ہے۔ کہتا تھا کہ طاقتور مسلمان ممالک تو اس ظلم پر خاموش ہیں یا پھر صرف سیاست کر رہے ہیں۔ مگر اسکا آخری جملہ حد درجہ اہم تھا۔ ایلیجا نے فون بند کرنے سے پہلے کہا، کہ وہ یہودی ہے اور تمام یہودی ظالم نہیں ہوتے۔ اس وقت سے اب تک سوچ رہا ہوں کہ کیا لکھوں؟